Al-Qawārīr - Vol: 02, Issue: 03,
April – June 2021

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
journal.al-qawarir.com

مساواتِ مردوزن سے متعلق ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی آرا

Dr. Israr Ahmed's opinion about the philosophy of Equivalence among male and female

Syed Adeel Shah*
PhD Scholar, Comparative Religions, Faculty of Usuluddin
International Islamic University, Islamabad

Version of Record
Received: 27-June-20 **Accepted**: 30-Oct-20
Online/Print: 29-June-2021

ABSTRACT

Dr. Israr Ahmed was the founder of Tanzeem e Islami. He spent the whole of his life propagating for the implementation of the Islamic code of conduct in all aspects of life. Different aspects of his assumed caliphate have been elaborated in his writings and lectures. He discussed the beliefs, rituals, social, educational, family, and political role of women in his books, articles, interviews, and sermons. Conflict of superiority between men and women has also been an important topic of his thoughts. He has been presented as a controversial figure due to his thoughts and critical opinions about the status and role of women in society. Different protests were also put forward by various NGOs and public elements. In this study, the opinion of Dr. Israr Ahmed about the concerned issue is presented. The study is designed according to the following order:
Israr Ahmed's opinion about the equality of Male and females.
Israr Ahmed's shreds of evidence supporting his thought.
Results

***Key words**: Dr. Israr Ahmed, Women in Islam, Equelity.*

مرد اور عورت کے مابین توازن اور عدم توازن ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو ہر مذہب، ثقافت اور قوم کی جانب سے الگ الگ طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ انسانی زندگی کے معاشرتی اور خاندانی پہلو میں مرد اور عورت کے مابین توازن اور عدم توازن کی بنیاد پر استحکام کے قیام یا فساد کے برپا ہونے کا خدشہ ہمیشہ سے موجود ہے۔اس لیے معاشرے میں ترقی پسندانہ رجحانات یا صالح تمدن کے قیام کے لیےت ضروری ہے کہ اس میں عورت کی حیثیت کا تعین منطقی اور اخلاقی بنیادوں پر کیا جائے۔ڈاکٹر خالد علوی نے اسی بنا پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسان کی سماجی ترقی اور اس کی تمدنی بقا کا دار و مدار عورت کے مقام و مرتبے پر

CC BY

ہے۔ عورت کا مقام و مرتبہ ہی سماج کے زوال یا اس کے عروج کا سبب ہے [1]۔ چنانچہ خواتین کا مقام و مرتبہ طے کرنے کے لیے اب کسی پیچیدہ فکری عمل سے گزرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جدید تحقیقات اور معلومات کا بلاخیز سیلاب تحقیقی اذہان کو ایک واضح سمت کی جانب رہنمائی دینے کے لیے کافی ہے۔

اقوام عالم میں مساوات مرد وزن (تاریخی تناظر میں)

یہ انتہائی خوش آئند اور دلچسپ امر ہے کہ اناطولیہ، میسوپوٹیمیا، یونان اور ایران کے آثارِ قدیمہ سے متعلق تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ انسانی دنیا کے معاشرے ہمیشہ مرد شاہی سماجی نظام پر متشکل نہیں تھے بلکہ ایسے سماجی نظام بھی انسانی تاریخ کا حصہ رہے ہیں جن میں سیاسی اور خاندانی نظام کی باگ دوڑ خواتین کے ہاتھوں میں تھی۔ ان کے پاس سرمایہ کاری کا اختیار تھا، ان کی پرستش ہوتی تھی، ان کو تخلیق کائنات میں شریک مانا جاتا تھا، ان کو مائیں بن جانے کے بعد زندگی عنایت کرنے والی مجازی دیویاں تسلیم کیا جاتا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کو خاندان کی اصلی وارث ہونے کی بناپر وراثتی ملکیتوں کی سربراہی بھی حاصل تھی [2]۔

یہ گمان کیا جاتا ہے کہ پدر شاہی خاندانی نظام تاریخ میں تاخیر سے انسانی معاشرے میں نافذ ہوا تھا۔ مردوں کو پدر شاہی مزاج پیدا کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا اس لیے اپنے اہل و عیال کی سربراہی، ان کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری مردوں پر عائد نہیں ہوتی تھی۔ بچوں کی پیدائش کا اعزاز خواتین کے لیے مختص تھا اس لیے بچوں کی نسبت ماؤں کی طرف ہوتی تھی۔ اثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی مدد سے اب تک ایسے کئی نمونے مل چکے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ما قبل تاریخ میں مشرقِ وسطیٰ اور اس کے گرد و نواح میں متعدد مذاہب میں خواتین کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس ضمن میں میسوپوٹیمیا کی دو دیویاں نینلیل (ninlil) اور اشتر (Ashtar)، آئرلینڈ کے متصوّر کیلٹک دیوتاؤں (Celtic deities) میں کئی خواتین بھی شامل ہیں، یونان کی دیوی دی متری (Dimitri) اور مصر کی دو دیویاں ایسس (Isis) اور مات (maat) بطور مثال پیش کی جاسکتی ہیں۔

مصر میں ہورس (Horus) نامی دیوتا کو ایک ایسے عقاب کی صورت میں پیش کیا جاتا تھا جس کی دونوں آنکھوں میں سے ایک آنکھ میں سورج جب کہ دوسری آنکھ میں چاند تھا۔ اس کے مقابلے میں جنوبی مصر میں ہی گدھ اور ناگن کی صورت میں دو دیویاں اعلیٰ مقام و مرتبے پر فائز تھیں۔ گدھ دیوی کو Nekhbet جب کہ ناگن دیوی کو Wadjet کہا جاتا تھا۔ 2425 قبل از مسیح جب اوسیرِس (osiris) کو زرخیزی کا دیوتا مانا گیا، اس کے ساتھ اس کی بیوی ایسیس (isis) کو زراعت، شفا اور قانون کی دیوی کے طور پر معبود تسلیم کر لیا گیا تھا [3]۔ غالباً وہ زراعت، طب اور قانون سے متعلقہ معاملات کی ماہر تھیں۔

اسی طرح 500 قبل از مسیح میں میسوپوٹیمیا کی سمیری قوم کے لوگوں کے ہاں اشتر کو ایک ایسی نمایاں دیوی کے طور پر پوجا جاتا تھا جس کے بارے میں لوگوں کا گمان تھا کہ یہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے مشیر کی ذمہ داریاں سر انجام دیتی ہے [4]۔ تاہم آشوریوں کے عہد (1600 تا 746 قبل از مسیح)، اور بابلی سلطنت (636 قبل از مسیح) کے دوران خواتین نے اپنا امتیازی مقام و مرتبہ کھو دیا اور

معاشرے میں خواتین کو سمیری تہذیب و مذہب کے دیے ہوئے خدائی اختیارات کے بارے میں لوگوں کے عقائد میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو گئی جس کے نتیجے میں اشتر کے علاوہ تمام دیویوں کی عبادت سے انکار کر دیا گیا تھا۔

یونان میں بھی ہیرا (Hera) نامی ایک دیوی کی طویل عرصے تک پرستش ہوتی رہی۔ کریٹ (Keret) کی ایک دیوی کی صورت ناگن جیسی تھی جس کی بہت تعظیم کی جاتی تھی۔ایتھنز کی کنواری دیوی "اتھینا" (Athena) جنگلی حیاتیات کی ماں دیوی "ارٹیمائس" (Artemis)، محبت کی دیوی "ایفروڈائٹ" (Aphrodite)، زمین کی ماں دیوی "دمتری" (Dimitri) وغیرہ ایسی دیویاں تھیں جن کو یونانی معاشرے میں عزت واحترام اور امتیاز حاصل تھا[5]۔ ان کی عبادت کا سلسلہ ہزاروں برس تک جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ 100 قبل از مسیح میں جب ڈریانی قوم (Dorians) نے یونان کو فتح کیا اور 850 قبل از مسیح میں جب ہومر نے رزمیہ واقعات لکھے، تب بھی یونانی معاشرے میں ان کی پوجا جاری وساری تھی۔اس عہد کے یونان میں خواتین کے پاس اپنی مرضی کے شوہر کا انتخاب کرنے، شوہر کو طلاق دینے اور جائیداد کی ملکیت حاصل کرنے کا اختیار موجود تھا[6]۔ تاہم ہومر کے عہد کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں جب رومی حکومت نے یونان میں مسیحیت کو پھیلانا شروع کیا تو یونان میں خواتین کے مذکورہ مقام و مرتبے کے بارے میں تصورات مکمل طور پر بدل گئے اور ان کو مخصوص مسیحی افکار کے تحت انسانی زندگی کی مشکلات، مصائب، اذیتوں اور تباہی و بربادی کا سبب قرار دیا گیا۔اس کے بدلے میں بطور بیوی، بہن،ماں یا بیٹی خواتین کے مقام و مرتبے کو نظرانداز کرتے ہوئے مردوں کو زندگی کے ہر شعبے میں نمائندگی دے کر عورتوں کو ہیچ قرار دیا گیا تھا[7]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یونان میں مرد و عورت کے تفوق کی بحث میں ایک یونانی عورت پینڈورا (Pandora) کا ذکر کیا ہے جو اہل یونان کے لیے مصائب وآلام کا سبب سمجھی جاتی تھی۔[8]

عہد قدیم کے رومی معاشرے میں خواتین کو مردوں سے کم تر سمجھا جاتا تھا، صرف عائلی زندگی میں ہی نہیں بلکہ سماجی، سیاسی اور مذہبی امور کے ساتھ ساتھ زندگی اور موت کے حوالے سے بھی ان کو مردوں کی ماتحتی میں رکھا جاتا تھا۔اگر کسی مرد کو اپنی بیوی کے بدکردار ہونے کا محض شک گزرتا تو وہ اس کو قتل کرنے پر قانونی طور پر مجاز ہوتا تھا[9]۔تاہم بعد کے جمہوری اور سلطانی عہد میں اشرافیہ کی خواتین کو بہت زیادہ آزادی دی گئی تھی۔

ایران میں ثقافتی زندگی کی قدیم ترین صورت 539ء قبل از مسیح میں ملتی ہے جب هخامنشی سلطنت (Achaemenid Empire) کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ایران کے آثار قدیمہ میں کچھ برہنہ دیویوں کی مورتیاں ملی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ایرانی معاشروں میں خواتین کی پوجا کی جاتی تھی[10]۔اس معاشرے میں خواتین آگ کی نگران تھیں، برتن سازی کی موجد تھیں، قبائلی امور کی منتظم تھیں، بچوں کی نگران تھیں اور انسانی نسل کو آگے بڑھانے والی تھیں۔ان کے ہاں خواتین سے ہی نسل اور خاندان کو منسوب کیا جاتا ہے[11]۔تاہم آریائی اور ساسانی سلطنتوں کے عہد میں خواتین نے اپنے عظمت اور اپنے امتیاز کو کھو دیا اور پھر ان کو مردوں کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔

قدیم ہندی معاشرے میں بھی خواتین دیوں کا تصور موجود تھا ان میں سے انسانوں اور بھگوانوں کی ماں آدِتی، آسمان کی بیٹی آؤروا، اور پانی کی دیوی سر سوتی سر فہرست ہیں[12]۔1000 قبل از مسیح تک ہندی معاشرے میں عورتوں کو عزت و احترام حاصل تھا۔وہ "سویم ورا" کی رسم کے ذریعے اپنے شوہر کو انتخاب میں آزاد تھیں۔مرد عورتوں کی رفاقت کو اپنے نفس کے تزکیہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔خواتین کو صنعتی امور میں شرکت کرتے ہوئے معاشی آزادی آزادی کی مستحق سمجھا جاتا تھا اور انہیں گھونگھٹ میں رہنے کی پابندی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا[13]۔طوائف کو معاشرے میں عزت و احترام حاصل تھا اور ریاست ان کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔سردار، راجے اور تعلیم یافتہ لوگ ان کی انتہائی قدر کرتے تھے۔اشرافیہ کی کئی خواتین نے دیوتاؤں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر کے ہمیشہ کے لیے مندروں کے ساتھ منسلک کر رکھا تھا[14]۔

مساوات مرد وزن کے حوالے سے مذہبی تعلیمات کے تعبیری مناہج

مذاہب عالم کے اربابِ فکر و دانش کے ہاں خواتین کے مقام سے متعلق مذہبی صحائف کی تعبیرات کے مختلف مناہج پائے جاتے ہیں۔ جدید تحدیات سے نبرد آزما ہونے کی غرض سے عصر حاضر میں ان تاویلات اور تنبیہات کا تنوع مختلف اسالیبِ فکر کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ خواتین کے مقام و مرتبے کے تعین کے لیے مندرجہ ذیل پانچ مختلف مناہج مذہبی نصوص کی تعبیر میں اساسی کردار ادا کر رہے ہیں:

1۔ سیکولر نسائیت کا منہج

اس منہج کے پیروکاروں کا گمان ہے کہ مذہبی صحائف کی تشکیل مرد شاہی نظام کے اثرات کے تحت کی گئی ہے۔ان نسائیت پسندوں کی جانب سے مذہبی صحائف میں موجود ایسے اقتباسات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے جو بظاہر خواتین کے لیے ہتک آمیز کلمات پر مشتمل ہیں۔اس کے بعد یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مردوں کو خواتین پر تفوق دینے کے لیے مذہبی تعلیمات کو منفی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔چنانچہ مذہب کی بنیاد پر معاشرے کا ایک بڑا حصہ اپنے حقوق اور اپنے احترام و اکرام سے محروم ہو جاتا ہے۔ایسے نسائیت پسند سکالرز ہر مذہب میں مل سکتے ہیں۔بدھ مت میں ڈیانا پال (Diana Paul)[15]، ہندومت میں رنجنا کماری (Ranjana Kumari)[16] اور دروورجن (Dhruvarjan)[17] اس ضمن میں اپنی تصنیفات کے باعث ذرائع ابلاغ کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ان کا موقف ہے کہ خواتین کے سماجی، خاندانی، سیاسی، تعلیمی اور کاروباری مقام و مرتبے کے تعین کے لیے مذہبی صحائف سے استفادہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

2۔مذہبی نسائیت کا منہج

نسائیت پسندوں کے اس گروہ کے مطابق مذہبی صحائف میں خواتین کے بارے میں موجود مواد کی تعبیر نو کی ضرورت ہے۔نسائیت پسندوں کے اس گروہ کو انقلابی گروہ کہا جاتا ہے جن کے مطابق مقدس کتب کو ترامیم سے گزارنا چاہیے یا ان کو نئے سرے سے لکھا جانا چاہیے۔ مسیحیوں میں روز میری ریوتھر (Rosemary Reuther)[18] نے اس منہج پر سخت زور دیا ہے۔

3۔لسانی نسائیت کا منہج

اس منہج کے پیروکاروں کے مطابق روایتی مذہبی صحائف سے متعلق لسانی تنقید کا اسلوب اپنایا جانا چاہیے۔ مذہبی صحائف کی مروجہ تعبیرات اور تاویلات کو ماضی کے تہذیبی و ثقافتی حالات کا ادبی ورثہ سمجھا جانا چاہیے۔ چنانچہ ہر زمانے اور ہر علاقے کی رسوم ورواج اور معاشرتی وسیاسی نظام کی تحدیات کے منظر نامے کو مد نظر رکھتے ہوئے مذہبی نصوص کی تشریح کی جانی چاہیے۔ صحائف کے فہم کے لیے ایک نئے اصولِ تفسیر کی تشکیل کی جانی چاہیے۔انقلابی نسائیت پسندوں اور لسانی نسائیت پسندوں کے مناہج مختلف ہیں کیونکہ اِن کے مطابق صحائف کو ان کی اصلی حالت پر باقی رکھنا چاہیے البتہ ان کے فہم کے نئے اسالیب متعارف کروائے جانے چاہییں۔لہٰذا لسانی نسائیت پسند صحائف میں ترمیم کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ مغربی دنیا میں اس فکری منہج کی بنیاد یہودی سکالر کارول میئرز (Carol Meyers)[19] نے رکھی تھی۔ مسلمانوں میں ڈاکٹر امینہ ودود نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ خواتین سے متعلقہ قرآنی آیات کی تفاسیر ہمیشہ مردوں کے مزاج کے مطابق کی گئی ہیں۔اس لیے ان تفاسیر پر نظر ثانی کر کے ان کو نسائی نقطہ نظر سے پیش کرنے کی ضرورت ہے[20]۔یہی نقطہ نظر غلام احمد پرویز کے ہاں پایا جاتا ہے جن کے مطابق:

> "یہ قوانین ہمارے دور ملوکیت میں اس زمانے میں وضع ہوئے تھے جب عورتیں مویشیوں کی طرح منڈی میں نیلام ہوا کرتی تھیں[21]۔۔۔ہمارے قوانین شریعت مردوں کے بنائے ہوئے ہیں اس لیے ان میں مردوں کو ہر حال میں بالادست رکھا گیا ہے اور عورت بے چاری کو کچل دیا گیا ہے[22]۔۔۔چونکہ یہ قوانین اس ماحول میں بنے تھے جس میں عدل کی بجائے استبداد کا دور دورہ تھا اور عورت کو بنگاہِ نفرت دیکھا جاتا تھا اس لیے ان قوانین و تصورات کی رو سے عورت کی حیثیت مغلوب و محکوم اور حقیر و ذلیل سی قرار پا گئی[23]"۔

ڈاکٹر عارفہ صدیقی نے بھی یہی موقف قائم کیا ہے کہ:

> " Muslim women's low self image is result of largely a result of long tradition of male oriented interpretation of the Quran by male scholars. Female Muslim scholars have rarely been accepted in Muslim society[24] ".

مسلمان خاتون کو کم تر مقام مرد علما کے ذریعے قرآن مجید کی طویل عرصے تک ہونے والی مردانہ تعبیرات کا نتیجہ ہے مسلمان معاشرے میں خواتین علما کو شاذ و نادر ہی قبول کیا گیا ہے۔

4۔جدید روایت پسندانہ نسائیت کا منہج

اس منہج کی پیروی میں بعض مذہب پسندوں نے روایتی افکار کو مضبوطی سے تھام کر مناظرانہ اسلوب اختیار کر لیا ہے۔وہ ہر سطح پر یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ خواتین کو مردوں کے مقابلے میں مذہبی اعتبار سے امتیاز کا نشانہ نہیں بنایا جارہا ہے۔مذہبی تعلیمات کے مطابق ان کے اس کردار کا تعین کر دیا گیا ہے جس میں وہ بالکل موزوں اور مناسب ہیں۔مذہبی صحائف میں مذکور خواتین کے مقام و مرتبے کا بغور مطالعہ کیا جائے توان کے لیے کم تری کا کوئی ایک پہلو بھی نظر نہیں آتا ہے اس لیے خواتین کے حقوق کے لیے اٹھنے والی تمام تر تحریکات کے سوالات ہی غیر حقیقی ہیں۔متعدد مرد علماء جو حقوق نسواں سے متعلق تشویش کا شکار ہیں، اس منہج کی پیروی کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں میں حمادہ ابں التی[25]، جمال بدوی[26] اور یہودیوں میں رافیل لوئیو (Raphel Loewe)[27] اس منہج کی ترویج میں متحرک ہیں۔

5۔مذہبی جانب داری کا منہج

بعض مذہبی حلقوں میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ خواتین کی فلاح کا جدید تصور غلط فہمیوں کی پیداوار ہے۔مذہبی تعلیمات میں خواتین کو روحانی یا اخلاقی اعتبار سے کبھی بھی مردوں کے ساتھ مقابلے کی فضا میں نہیں پرکھا گیا ہے۔البتہ جدید زمانے میں خواتین کو کاروباری شعبوں اور سماجی مساوات میں آگے لے آنے کے لیے کی جانے والی کوششوں میں عورت کی تحقیر ہے۔سید ابوالاعلیٰ مودودی[28] اور ان کے رفقا اس موقف کے مویدین میں شامل ہیں۔

مردوزن کے مابین تفوق کی کشمکش:ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا فکری منہج

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1982ء میں روزنامہ جنگ کے ایک صحافی ارشاد احمدؒ حقانی کو ایک انٹرویو دیا تھا اور اس میں خواتین کے مقام و مرتبے کے ساتھ ساتھ ان کے دائرہ اختیار کے بارے میں اپنے افکار کا اظہار کیا تھا۔جنگ میں یہ انٹرویو شائع ہو گیا تو خواتین کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے افکار کے جواب میں تحریری، تقریری اور عملی احتجاج سامنے آیا اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے خیالات پر سخت تنقید کی گئی تھی۔دوسری جانب ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے جوابی بیانیہ میں کہا کہ :

> "روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین میں شائع ہونے والے میرے انٹرویو میں خواتین سے متعلق میرے نظریات کو جس طرح اچھالا گیا ہے، یہ میرے مستقل تجزیے اور مستقل موقف کے مطابق نہیں ہے[29]"۔

عمیق مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ مساواتِ مرد وزن سے متعلق انتہائی سنجیدہ ہیں اور وہ اس کو محض علاقائی ثقافت پر مبنی مذہبیت کے تناظر میں نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر انسانی دنیا میں متوازن تعلقات اور موزوں معاشرت کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فکرِ انسانی کو درپیش مسائل کو انھوں نے تین زمروں میں تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"انسان غور کرے تو معلوم ہو گا کہ نوع انسانی کو تین بڑے بڑے عقدہ ہائے لا ینحل درپیش ہیں جو توازن کے متقاضی ہیں اور ان میں عدم توازن سے انسانی تمدن فساد اور بگاڑ کا شکار ہے۔ان میں پہلا عقدہ لا ینحل یہ ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق و فرائض میں کیا توازن ہے؟۔۔۔۔۔مرد اور عورت کے حقوق کے مابین توازن کا معاملہ بھی انتہائی حساس ہے۔اس میزان کا پلڑا اگر ذرا سا بھی مرد کی جانب جھکا دیا جائے تو عورت کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، وہ بالکل بھیڑ بکری کی طرح مرد کی ملکیت بن کر رہ جاتی ہے،اس کا کوئی تشخص نہیں رہتا اور وہ مرد کی جوتی کی نوک قرار پاتی ہے۔لیکن اگر دوسرا پلڑا جھکا دیا جائے تو عورت کو جو حیثیت مل جاتی ہے وہ قوموں کی قسمتوں کے لیے تباہ کن ہو جاتی ہے۔اس سے خاندانی ادارہ ختم ہو جاتا ہے اور گھر کے اندر کا چین و سکون برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔آج خود کشی کی سب سے زیادہ شرح سویڈن میں ہے۔اس لیے کہ گھر کا سکون ختم ہو جانے کے باعث اعصاب پر شدید تناؤ ہے[30]"۔

چنانچہ اسی عدمِ توازن کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اسلامی سماجی و عائلی نظام کے تناظر میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔اس ضمن میں انھوں نے خواتین کے دینی اور سماجی و عائلی تشخص کا تصور پیش کیا ہے۔

خواتین کا دینی تشخص

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے عورت کے دینی تشخص اور دنیاوی تشخص کو الگ الگ پہلوؤں میں پیش کیا ہے۔ان کا موقف ہے کہ دینی اور اخلاقی سطح پر عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔خیر و شر کے انتخاب میں دونوں آزاد ہیں اور دونوں کو اپنے اپنے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی۔

اس کی پہلی مثال کے طور پر ڈاکٹر موصوف نے قرآن مجید میں مذکور[31] دو پیغمبروں نوح اور لوط علیہما السلام کی مثال پیش کی ہے جو جلیل القدر پیغمبر تھے البتہ ان کے ہاں فاسق خواتین رہی ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی اعتبار سے عورت مرد کے تابع نہیں بلکہ آزاد ہے۔ان دونوں پیغمبروں کی بیویاں بدکار نہیں تھیں بلکہ اپنے شوہروں کے دین کی منکر تھیں اور اپنی قوم میں سے ایمان لانے والے افراد کی خبریں قوم کے بدکار اور جبار لوگوں کو پہنچایا کرتی تھیں[32]۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس ضمن میں دوسری مثال کے طور پر فرعون کی بیوی آسیہ کو پیش کیا ہے جن کے لیے فرعون کی زوجیت میں ہونا کسی روحانی نقصان کا باعث نہیں بنا۔ان مثالوں کی بنا پر ڈاکٹر موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ مذہبی اور روحانی اعتبار سے مرد و عورت کا الگ الگ مستقل تشخص ہے۔اس اعتبار سے اسلام کی نظر میں دونوں مساوی ہیں کہ دونوں کو نیکی کمانے کے مساوی مواقع دیے گئے ہیں، دونوں کے اعمال کا بدلہ ان کو ضرور ملے گا[33]۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا یہ موقف بھی ہے کہ عورت اور مرد کے مابین کچھ فطری امتیازات موجود ہیں[34]۔ مرد و زن تمدن کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اور ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی کیفیات مختلف ہیں[35]۔اس لیے فطرت کے اصولوں کے مطابق مرد کو عورت پر اور عورت کو مرد پر کچھ فضیلتیں بھی دی گئی ہیں جن پر دونوں کو راضی رہنا چاہیے۔

خواتین کا معاشی تشخص

قرآن مجید میں خواتین کی سر گرمیوں کے لیے لفظ "کسب" مستعمل ہے[36]جس کی روشنی میں کئی مفسرین نے عورت کو معاشی سر گرمیوں میں آزاد قرار دیا گیا ہے[37]۔اس تاویل کے مرتکب لوگوں پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں کہ :

> "اس آیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے،اس لیے کہ ہماری کچھ بہنیں اس آیت میں لفظ کسب سے بڑے مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں اور آج کے دور کی جدید مفسراتِ قرآن اس لفظ کسب سے ہماری سادہ لوح بہنوں کو مغالطے میں مبتلا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ یہ جدید مفسرات بڑے دھڑلے سے کہہ رہی ہیں کہ اس آیت میں کسب سے مراد یہ ہے کہ معاش کے لیے جس طرح مرد بھاگ دوڑ کر سکتا ہے، کاروبار یا ملازمت کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی معاشی جدو جہد میں حصہ لینے کی پوری آزادی اور کھلی چھوٹ ہے[38]"۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس ضمن میں کسب کو نیکی یا بدی کمانے کے مفاہیم میں استعمال کرتے ہیں جب کہ ان کے مطابق قرآن کی رو سے دنیاوی کمائی کے لیے کسب کے علاوہ فضل کا کلمہ بھی مستعمل ہے۔مذکورہ آیت میں"نصیب مما اکتسبن" سے مراد خواتین کا نیکی کمانا ہے۔ کیونکہ دنیاوی معاوضہ طے کرنے کے بعد کام کرنے کے عوض مکمل معاوضہ ملتا ہے جب کہ نیکی کا اجر نیت اور خلوص کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہو جاتا ہے اس لیے "نصیب مما اکتسبن "یعنی ان کی کمائی میں سے ایک حصہ کے کلمات کے ذریعے خواتین کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری جانب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطابق عورت کے لیے معاشی سر گرمیوں میں مصروف عمل ہونے کی گنجائش بھی موجود ہے البتہ اس کے لیے حدود و قیود کا بھرپور طریقے سے لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ان حدود و قیود سے متعلق ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا طرزِ فکر اسلامی روایتی منہج کے ساتھ موافق ہے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں کہ :

> "اگر ملک کی معیشت اس بات کی متقضی ہو کہ عورتیں بھی اس میں ہاتھ بٹائیں تو ریاست کی طرف سے ایسے اقدامات کیے جانے چاہیں کہ گھروں پر ہی Cottage Industries کی طرز پر صنعت و حرفت کا نظام قائم ہو[39]۔بہت سے ترقی یافتہ ممالک بالخصوص جاپان اور سوئزر لینڈ میں یہ تجربہ کافی کامیاب رہا ہے۔اگر عورت کو معاش کے لیے گھر سے نکلنا ہی پڑے تو وہ ستر و حجاب کے تمام احکام کی پابندی کرے۔ گھر سے باہر جلباب یا برقعے مین نکلے اور ایسے ادارے میں کام کرے جہاں عورتیں ہی کارکن اور منتظم ہوں۔ عورتوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنے یا ٹی وی اور ریڈیو میں اناؤنسر، یا اخبارات اور ٹی وی میں اشتہارات کا ماڈل، یا ائیر ہوسٹس بننے یا اسی نوع کے دوسرے ایسے پیشے اختیار کرنے کا

معاملہ جن میں مردوں سے براہ راست سابقہ آتا ہو اور وہ ان کے لیے فردوسِ نظر بنتی ہوں، اس روئے اسلام مسلم خواتین کے لیے قطعی ناجائز بلکہ حرام کے درجے میں ہے [40]"۔

شوبز میں کام کرنے والی خواتین کے کام کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے حکومت کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسے منکرات کا استیصال کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔اس لیے حکومت کو چاہیے کہ حکمت اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ ان کا سد باب کرے [41]۔

خواتین کی معاشی سرگرمیوں سے متعلق ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے اس موقف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بقول خواتین میں ملازمت کی خواہش معاشی مجبوری کے تحت نہیں بلکہ آزادی اور خود مختاری کے جذبے کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔اس لیے انھوں نے اس تشویش کو بھی واضح کیا ہے کہ ملازمت پیشہ خاتون کو گھریلو امور اور بچوں کی نگہداشت کے لیے ملازمائیں رکھنی پڑتی ہیں۔ان کی تنخواہوں کے اخراجات کے بعد اپنی تنخواہ کا مشکل سے ایک چوتھائی بچتا ہے۔آزاد پیشوں کے ساتھ خواتین کے منسلک ہونے کو مضر قرار دینے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے خواتین کو اسکولوں اور کالجوں میں تدریس اور خواتین کے ہسپتالوں کی طب سے متعلق ذمہ داریوں کو سب سے بہتر پیشہ قرار دیا ہے [42]۔

شہری خواتین اور دیہاتی خواتین کے کام کی نوعیت ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطابق یکسر مختلف ہے۔ان کے مطابق شہروں میں ملازمت کرنے والی خواتین کو نامحرموں سے واسطہ پڑتا ہے جس سے اسلامی حجاب کے احکام پر عمل پیرا ہونا مشکل ہو جاتا ہے جب کہ دیہاتی خواتین اپنے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ان کا نامحرموں سے واسطہ نہیں پڑتا ہے [43]"۔اس لیے دونوں کو ایک ہی پیرائے میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

خواتین کا قانونی تشخص

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا موقف ہے کہ انگریزی زبان کا لفظ Evil دراصل Eve یعنی "حوا" سے مشتق ہے۔ہر مذہب نے عورت کی تحقیر کی ہے۔سب سے پہلے اسلام نے اس کو عزت و احترام عنایت کرتے ہوئے قانونی طور پر حق ملکیت اور اپنی ملکیت میں تصرف کا حق بھی دیا ہے۔البتہ قانونی سطح پر اسلام نے مرد و عورت کو مساوی سطح پر نہیں رکھا ہے۔یہاں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل دو مثالیں پیش کی ہیں:

(1) وراثت میں مرد اور عورت کے حصے برابر نہیں ہیں [44] بلکہ مرد کا حصہ عورت سے زیادہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے معاشی کفالت کا بوجھ مرد کے کاندھوں پر ڈالا گیا ہے۔

(2) قرآن مجید کے قانون شہادت کے مطابق دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہو گی [45] تاکہ اگر ایک خاتون بھول جائے تو دوسری خاتون اس کو یاد دلا دے۔نسیان مرد کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کا یہ اسلوب اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ عورت کی طرف نسیان کا امکان زیادہ ہے۔اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں کہ:

"عورت میں نسیان کا مادہ کیوں زیادہ رکھا گیا ہے، یہ بھی سمجھ لیجیے۔ یہ بڑی عقلی اور منطقی بات ہے۔ دراصل عورت کو مرد کے تابع رہنا ہوتا ہے، لہٰذا اس کے احساسات کو کبھی بھی ٹھیس پہنچ سکتی ہے، اس کے جذبات کے اوپر کبھی کوئی کدورت آتی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ نے ان کے اندر بھول جانے کا مادہ "سیفٹی والو" کے طور پر رکھا ہے۔ چنانچہ یہ نسیان بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، ورنہ تو کوئی صدمہ دل سے اترنے ہی نہ پائے، کوئی غصہ کبھی ختم ہی نہ ہو۔ بہر حال خواہ کسی حکم کی علت یا حکمت سمجھ میں آئے نہ آئے، اللہ کا حکم تو بہر صورت ماننا ہے[46]"۔

خواتین مردوں سے زیادہ جذباتی ہوتی ہیں جب کہ جذبات کی وجہ سے ذہول اور نسیان کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ تسلیم کرتے ہیں کہ معاشرے میں بسا اوقات مرد عورتوں سے زیادہ بھلکڑ اور جذباتی بھی نظر آتے ہیں لیکن ان کے مطابق یہ استثناء ہے۔ اوسط معاملات کو دیکھا جائے تو مرد زیادہ متحمل مزاج ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ:

"یہ معاملہ کہ وہ (عورت) قانونی تشخص میں مرد کے مساوی ہو تو یہ درست نہیں ہے بلکہ اس میں فرق و تفاوت ہے"[47] اور "اب کسی شخص کا ایک طرف یہ اقرار کہ وہ مسلمان ہے جب کہ دوسری طرف اس کا یہ اصرار کہ مرد و عورت کامل اور بلا قید مساوات کے حامل ہیں، باہم متناقض ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دو متضاد رویوں کو جمع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا[48]"۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے قانونی اعتبار سے مرد و عورت کو غیر مساوی ثابت کرتے ہوئے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے اولاد ہمیشہ والد کی ہوتی ہے، ماں کی نہیں ہوتی ہے۔ اگر میاں بیوی کے مابین طلاق ہو جائے تو اولاد پر ماں کا قانونی استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر بچہ شیر خوار ہو تو بھی والد کے پاس اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بچے کی ماں سے دودھ پلوائے اور اس کا نان نفقہ پورا کرے اور اگر چاہے تو ماں سے بچہ لے لے اور اپنے طور پر بچے کی رضاعت کا انتظام کرے۔ ڈاکٹر موصوف کے بقول:

"قانون کا معاملہ تو یہ ہے، اس کو اولیت کہہ لیں، اقدمیت کہہ لیں، افضلیت کہہ لیں، وہ باپ کی ہے۔۔۔ قانونی اعتبار سے اگر مرد کو تشخص نہ دیا جائے تو کاندانی نظام ہمواری سے نہیں چل سکتا، اس میں خلل واقع ہو جائے، اس کو بھی مضبوط رکھنا ہے[49]"۔

قانونی معاملات کے ضمن میں خواتین کے سیاسی کردار کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر اسرار نے یہ موقف اپنایا ہے کہ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں خواتین کی شمولیت کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بات ہوئی تو خواتین سے بھی مشورہ کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر موصوف سمجھتے ہیں کہ مملکت کے امور کو چلانا ایک بھاری فریضہ ہے اس لیے اس کو مردوں کے سپرد ہی کرنا چاہیے[50]۔

خواتین کا عائلی تشخص

اسلام نے خواتین کو ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کے طور پر جو فضیلت دی ہے اس کو عائلی پس منظر میں رکھتے ہوئے ڈاکٹر اسرار نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسلامی تعلیمات کا مغربی تہذیب کے ساتھ تقابل بھی پیش کیا ہے۔ان کا موقف ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو عزت و احترام اور اکرام دیا ہے مغربی تہذیب اس سے کوری ہے۔ مغربی معاشرے میں بنے ہوئے اولڈ ہاؤس، عوامی بسوں میں بوڑھی خواتین کے کھڑا ہو کر سفر کرنے اور نوجوان مردوں کے نشست پر بیٹھے رہنے، جواب بیٹیوں کی معاشی کفالت کی ذمہ داری سے والدین کے انکار کرنے وغیرہ کو پیش کرتے ہوئے جدید نسائیت پسند مفکرین کو مغربی معاشرے پر تنقیدی نظر سے غور کرنے کی دعوت دی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان کا موقف ہے کہ قرآن مجید میں واضح اعلان کر دیا گیا ہے کہ مرد خواتین پر "قوام" ہیں:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ[51]

مرد عورتوں پر نگران ہیں

اس کی وضاحت میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں کہ:

"قوام کا صحیح مفہوم و مطلب ہو گا وہ شخص جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو صحیح و درست طور چلانے اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرنے اور اس کی احتیاجات و ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو[52]"۔

اپنی تفسیر بیان القرآن میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے "قوام" کا ترجمہ "حاکم" کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس قرآنی کلمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کی سربراہی مرد کے پاس ہے، خاتون کے پاس نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر سے قبل انھوں نے طنزیہ انداز میں لکھا ہے کہ ""اب آرہی ہے اصل میں وہ کانٹے دار آیت جو عورتوں کے حلق سے بہت مشکل سے اترتی ہے، کانٹا بن کر ٹک جاتی ہے[53]"۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ خاندان کو ایک ادارے کی صورت میں دیکھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ انتظامی ادارے میں مساوی اختیارات کے حامل دو سربراہوں کا ہونا ناممکن ہے۔وہ دعوت دیتے ہیں کہ "آپ پورے انسانی تمدن کا جائزہ لیجیے کہ کیا کوئی ایسا ادارہ موجود ہے کہ جس کے سربراہ دو ہوں اور بالکل مساوی اختیارات رکھتے ہوں؟ بالفرض کہیں یہ حماقت کی گئی ہو تو پھر وہ ادارہ صحیح طور پر اپنا کام انجام نہیں دے سکتا ہے۔اگر یہ مقصد پیش نظر ہو کہ خاندان کے ادارے کو مستحکم کیا جائے، مضبوط بنایا جائے جیسا کہ اسلام چاہتا ہے اور اس کا عین منشا ہے تو قانون اور اختیارات دونوں اعتبارات سے خاندان میں کسی ایک فرد کو برتری دینا ہو گی، اس کے بغیر خاندان کا ادارہ نہ مستحکم ہو سکتا ہے اور نہ وہ وظیفہ سرانجام دے سکتا ہے جو اس کے ذمہ ہے[54]"۔

عورت کو مرد کے ساتھ ایک وزیر کے طور پر کام کرنا ہے۔چونکہ ہر فرد اپنی بات منوانا چاہتا ہے اس لیے لازم ہے کہ باہمی رضامندی سے دونوں کسی مسئلے میں متفق ہو جائیں لیکن اگر معاملہ باہمی مشورے سے طے نہیں ہو رہا ہے تو مرد فیصلہ کن رائے مرد کی ہو گی[55]۔قوامیت کا یہ منصب عنایت کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے شوہروں کو اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے

کا حکم بھی دیا ہے لیکن افسوس کہ " شوہر اپنی قوامیت کے مظاہرے کے لیے تو ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں لیکن حسن سلوک کے معاملے میں تہی دست ہیں[56]"۔

اپنی تفسیر بیان القرآن میں بھی انھوں نے یہی موقف تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> " اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس ادارے (خاندان) میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں؟اس نظریے سے بڑی حماقت اور کوئی نہیں ہے۔اس لیے کہ سیدھی بات ہے کہ کسی بھی ادارے کے دو برابر کے سربراہ نہیں ہو سکتے۔آپ کسی محکمے کے دو ڈائریکٹر بنادیں تو ادارہ تباہ ہو جائے گا۔اوپر مینیجنگ ڈائریکٹر ایک ہی ہو گا،اس کے نیچے آپ دس ڈائریکٹر بھی بنادیں تو کوئی حرج نہیں۔۔۔ہر شعبے کا ایک مینیجر بنا دیجیے۔کسی بھی ادارے میں اگر نظم قائم کرنا ہو تو اس کا چوٹی کا سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے [57]"۔

مرد کو عورت پر فضیلت کا حامل باور کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے عورت کے ان خواص کا بھی ذکر کیا ہے جن کی بنا پر وہ شرف و کرم کی حامل قرار پاتی ہے۔ان عناصرِ شرفیت میں سے تولید کی طاقت، گھر سنبھالنے کا سلیقہ، گھر بسانے کی قابلیت،اولاد کی پرورش کا ہنر،دلکشی، دل ربائی، شیرینی وحلاوت اور خوبصورتی وغیرہ شامل ہیں۔انھوں نے لکھا ہے کہ :

> " یہ خالق و فاطر کائنات کی خلاقی کا کمال ہے کہ اس نے اگر مرد میں فعالیت کی صلاحیت رکھی ہے تو عورت کو انفعال کی اہلیت سے نوازا ہے۔فعل و انفعال دونوں اس کارخانہ ہستی اور کارگاہِ حیات کو چلانے کے لیے یکساں ضروری ہیں۔دونوں کا اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے دائرہ کار عمل میں ایک اہم مقام ہے۔اب اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے دائرہ عمل اور حدود کار میں بے جا مداخلت کریں گے یا ایک دوسرے کے قدرت کے تفویض کردہ امور کے بارے میں چھینا جھپٹی کریں گے تو تمدن میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو گا اور یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے قدرت کی تقسیم کار کے خلاف بغاوت ہو گی، جس کے مہلک نتائج بنی نوع انسان نے پہلے بھی بھگتے ہیں اور اب بھی بھگت رہی ہے [58]"۔

قانونی طور پر قرآن مجید کی جس آیت سے مرد اور عورت کو برابر قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اس کے تحت ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس منہج کو مسترد کر دیا ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ :

> " بعض مترجمین نے (**ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف**[59]) کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ " عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے ان پر حقوق ہیں"۔یہ ترجمہ درست نہیں ہے،اس لیے کہ اسلامی شریعت میں مرد اور عورت کے درمیان یعنی شوہر اور بیوی کے درمیان مساوات نہیں ہے [60]۔

اسی موقف کی مزید توضیح ان کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ :

> " مرد اور عورت میں بھی بحثیت انسان کوئی فرق نہیں، صرف انتظامی اعتبار ست فرق ہے۔از روئے قرآنی الفاظ "**الرجال قوامون على النساء**" (النساء:34) مرد عورتوں پر قوام ہیں۔یعنی مرد کو خاندان کے ادارے کے

سر براہ کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد افضل ہے اور عورت کم تر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے اخلاق اور کردار کے اعتبار سے کروڑوں مردوں سے اوپر چلی جائے [61]۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف سے متعلق معاصر علماء کی آراء

مساوات مرد و وزن سے متعلق ڈاکٹر اسرار نے اپنے موقف کو عین قرآنی روح کے مطابق قرار دیا ہے۔اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ بر صغیر میں قرآن فہمی کے مناہج کے مطابق ڈاکٹر اسرار احمد کے موقف کی تائید ہوتی ہے یا اس کو مسترد کیا جاتا ہے۔اس ضمن میں مفسرین کے اقتباسات پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

1۔ سید جلال الدین عمری: "خاندان بھی ایک ادارہ ہے اور بڑا پیچیدہ ادارہ ہے۔اس کا نظم و نسق اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب کہ اس کی سربراہی کسی ایک فرد کے ہاتھ میں ہو۔ اگر اس کے ساتھ دوسرے فرد کو بھی یہی حیثیت دے دی جائے تو اس کا نظم چل نہیں سکتا بلکہ اس کے وجود کا باقی رہنا بھی دشوار ہے۔سوال یہ ہے کہ خاندان کا سربراہ مرد ہو یا عورت؟۔۔۔خاندان کی سربراہی کے لیے مرد کا انتخاب قرآن نے کسی تعصب کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی صلاحیت اور مالی ذمہ داریوں کی وجہ سے کیا ہے"۔

سید جلال الدین عمری نے دعویٰ کیا ہے کہ:

> "مرد کی برتری کا اعتراف نہ کرنا اور عورت اور مرد کو ہر پہلو سے مساوی ثابت کرنا ایک طرح کا ردعمل یا تعصب ہے جو بحث و مباحثہ میں تو شاید کچھ چل جائے لیکن کارزارِ حیات میں زیادہ دور تک نسان کا ساتھ نہیں دے سکتا [62]"۔

2۔ حافظ عبد السلام بن محمد: "شریعت نے گھر کے بندوبست اور انتظام کے لیے مرد کو گھر کا قوام (نگران، ذمہ دار) قرار دیا ہے اور عورت کو اس کے ماتحت رکھا ہے۔۔۔یہی حال حکومتی امور کا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ یا امیر عورت نہیں ہو سکتی [63]"۔

مولانا عبد الماجد دریاآبادی: "روحانیات کی دنیا میں یعنی قرب حق اور حسن عمل کے لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے۔۔۔۔۔۔معاشرت کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر غلبہ و تفوق حاصل ہے [64]"۔

3۔ میاں محمد جمیل: "خاندانی یونٹ کو متوازن اور مستحکم رکھنے کے لیے مرد کو گھر کا ناظم مقرر کیا گیا ہے۔۔۔قرآن مجید نے گھریلو زندگی کو ایک یونٹ قرار دے کر مرد کو اس کا سربراہ مقرر کیا ہے۔۔۔گھر کا منتظم اس لیے مقرر کیا تا کہ گھر کا نظام مضبوط اور صحت مند خطوط پر چلتا رہے [65]۔

4۔ مولانا وحید الدین خان: "دنیا کے بارے میں اللہ کا بنایا ہو جو منصوبہ ہے اس میں خاندان کی سربراہی کے مرد کو متعین کیا گیا ہے۔۔۔خدا کا کارخانہ تو مرد اور عورت کو بدستور اپنے منصوبہ کے مطابق بناتا رہے گا جس میں "قوامیت" کی صلاحیتیں مرد کو دی گئی ہوں گی اور "اطاعت" کی صلاحیتیں عورت کو۔۔۔بہترین عورت وہ ہے جو اللہ کے خلیقی منصوبہ میں اپنے کو شامل کرتے ہوئے مرد کی برتری تسلیم کرلے [66]۔

5۔ مولانا امین احسن اصلاحی: "اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس ریاست میں سربراہی کا مقام مرد کو حاصل ہو یا عورت کو؟ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مقام مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔۔۔ قوامیت کے پہلو سے مرد ہی کی فضیلت کا پہلو راجح ہے [67]"۔

6۔ مولانا ادریس کاندھلوی: "اس مقام پر عقلی احتمالات صرف تین ہیں۔ ا۔ مرد حاکم ہو اور عورت محکوم۔ ۲۔ عورت حاکم ہو مرد محکوم۔ ۳۔ مرد اور عورت دونوں برابر ہوں نہ کوئی کسی کا حاکم ہو اور نہ کوئی کسی کا محکوم اس کے علاوہ اور کوئی احتمال عقلی ذہن میں نہیں آتا۔ شریعت نے پہلے احتمال کو اختیار کیا یعنی مرد کو حاکم اور عورت کو اس کا محکوم قرار دیا [68]"۔

7۔ پیر کرم شاہ الازہری: "قرآن حکیم نے باپ کو اس ذمہ داری کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتا دی ہے کہ اس میں دو خوبیاں ہیں ایک وہبی ہے اور دوسری کسبی۔ انہیں کے باعث وہ گھر کی مملکت کا رئیس مقرر کیا گیا ہے۔ پہلی خوبی تو یہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی جسمانی قوت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دور اندیشی میں بلاشبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے"۔

شیخ محمد عبدہ الفلاح: "شریعت نے خانگی شیرازہ بندی کے لیے مرد کو گھر کا قوام (نگران ذمہ دار) قرار دیا ہے اور عورت کو اس کے ماتحت رکھا ہے [69]"۔

خلاصہ ونتائج

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطابق:

1. معاشی سرگرمیوں میں عورت سے زیادہ مرد کو شریک ہونا چاہیے کیونکہ اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری عورت سے زیادہ مرد پر عائد ہوتی ہے۔ اگر عورت کا معاشی سرگرمیوں میں شریک ہونا ضروری ہو تو اس کو پردے میں رہ کر کام کرنے والے شعبوں میں مصروفِ عمل رہنا چاہیے۔
2. روحانی اعتبار سے مرد اور عورت برابر ہیں۔ ان دونوں کے لیے کارِہائے خیر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے مساوی مواقع موجود ہیں۔
3. مرد وعورت کو ان کی نیکیوں کی مساوی جزا ملے گی اور گناہ کی صورت میں مساوی سزا بھی ملے گی۔
4. قانونی سطح پر مرد اور عورت برابر نہیں ہیں۔ اسی لیے وراثت میں عورت کا حصہ مرد سے کم ہے اور گواہی دینے میں دو خواتین ایک مرد کے مساوی ہیں۔
5. خاندان ایک ادارہ ہے اور ایک ادارے کے دو مساوی اختیارات رکھنے والے منتظمین نہیں ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے خاندان کی قیادت بھی مرد اور عورت کے پاس برابر کے اختیارات کے ساتھ نہیں ہو سکتی ہے۔

6. مرد خاندان کا سربراہ ہے اور عورت اس کے ساتھ وزیر کی حیثیت سے محدود سطح پر بااختیار تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اگر افہام و تفہیم سے مرد و عورت خاندانی مسائل کے بارے میں کسی متفقہ نتیجے پر پہنچ سکیں تو ٹھیک، اگر نہ اختلاف کی صورت میں مرد کی رائے فیصلہ کن ہو گی۔
7. جن آیات کی رو سے مرد و خواتین کے حقوق کو مساوی قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے ان آیات میں بھی عورت کو مرد کے برابر مقام و مرتبہ نہیں دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ دعوت دیتے ہیں کہ:

> "اللہ تعالیٰ نے جس کو جس پر فوقیت دے دی ہے اس کو خوش دلی سے تسلیم کرنا چاہیے۔ اس پر رشک کرنے، اس کی تمنا کرنے اور اس پر شکوہ و شکایت کرنے کے بجائے راضی برضا ہو کر اپنے طرز عمل کو درست کیا جانا چاہیے [70]"۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ ملکی حالات و واقعات سے باخبر تھے۔ ان کو اس حقیقت کا ادراک ہو چکا تھا کہ اس موقف کی متعدد تعبیرات پیش کرتے ہوئے سیکولر طبقات کی جانب سے اسلام پر حملہ کرنے کے کئی دروازے کھل سکتے ہیں۔ ان کے موقف کو عورت مخالف فکر سمجھ کر اس کو تنقید کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 25 جنوری 1984ء میں جنگ فورم پر ضیاء شاہد کی زیر صدارت ایک خطاب کیا جس میں واضح کیا کہ:

> "ہمارے ہاں ایک بہت ہی غلط بحث اُٹھ کھڑی ہوئی ہے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسلام کی طرف سے بولنے والوں کے نزدیک عورت مرد کے مقابلے میں کوئی گھٹیا مخلوق ہے. بعض لوگوں نے اسے کمتری کا احساس گردانا اور پھر اس کا دفاع کرنے لگے کہ عورت گھٹیا مخلوق نہیں ہے. میں یہ کہوں گا کہ اس ضمن میں اسلام کا نقطۂ نظر قطعی یہ نہیں کہ عورت مرد کے مقابلے میں کسی بھی درجے میں گھٹیا مخلوق ہے' بلکہ اس اعتبار سے کہ دونوں انسان ہیں' ایک نوع کے دو افراد ہیں' ایک مرد ہے دوسرا عورت ہے' اس کے اندر تخلیقی اعتبار سے کسی کے گھٹیا اور کمتر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

حواشی، حوالہ جات

[1] ڈاکٹر خالد علوی، اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 461، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور

[2] Ghirsman. R. Iran from the earlierst times to the Islamic conquests, Britain, 1961, P. 28

[3] Stone Merlin, The paradise papers, London (1976), P. 103

Alexander Moret, The Nile and Egyptian Civilization, London (1972), P. 96

[4] W.F Saggs, the greatness that was Babylon, London (1969), P. 187

[5] JC Stobart, The Glory that was Greece, London (1933), P. 38, 29, 73

[6] Elazabeth Davis, The first sex, London (1973), O. 187-188

WG De Burgh, The legacy of ancient world, London (1982), P. 149

[7] Tenny Frank, Aspects of social behavior in ancient Rome, Cambridge (1932), Vol 2, P. 3-4

[8] سیدابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، صفحہ نمبر14، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

[9] ڈاکٹرایس ایم ناز، اسلام میں عورت کی قیادت، صفحہ نمبر50

[10] Iran from the earlierst times to the Islamic conquests, P. 44

[11] Ibid, P. 28

[12] Clarisse Bader, Women in ancient India, India (1964), P. 1-15

[13] Ram Chandra Majmudar, Great Women of India, (1953), P. 14

[14] AL Basham, The wonder that was India, Fontana (1971), P. 185

Syed Ameer Ali, The Spirit of Islam, Calcutta, 1902, P. 24-25

[15] Diana Paul, Women in Buddhism, Asian Humanities Press, Barkley, 1979

[16] Ranjana Kumari, Female sexuality in Hinduism, ISPCK, Dehli, 1986

[17] Vanjana Dhruvarjan, Hindu Women the power of ideology, Grevey publishers, Massachusetts, 1989

[18] Rosemary Reuther, Women of spirit, Simon & Schuster publishers, New York, 1979

[19] Carol Meyers, Discovering Eve, Oxford University press, New york, 1988

[20] Amina Wadood, Quran & Women, oxford university press, U.S. 1999, P. 1

ڈاکٹرامینہ ودود کے موقف کا تجزیہ کرتے ہوئے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں سعدیہ محمود نے ڈاکٹر محمد دین زیر نگرانی2004ء میں ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا تھا۔ مقالہ کا عنوان مندرجہ ذیل ہے:

The influence of modern western hermeneutical approaches to study of religion on contemporary Islamic thought: A case study of ”Woman in Islam“

[21] باب المرسلات، قانون شہادت، طلاعِ اسلام، مارچ1983ء، جلد نمبر36، صفحہ نمبر47

[22] غلام احمد پرویز، طاہرہ کے نام، صفحہ نمبر21-22

[23] ایضا، صفحہ نمبر22

[24] Dr. Arifa Farid, Muslim Women, in world religions' perspective, University of Karachi, Karachi, (2006), P. 175, 177

[25] Hammadah Abdalti, Islam in the focus, Indiana Polis publishers, Indiana, 1975

[26] Jamal Badawi, Status of women in Islam, Indiana Polis publishers, Indiana

Jamal Badawi, The Muslim women's dress, MSA, Canada, 1980

[27] Raphel Loewe, The position of women in Judaism, SPCK, London, 1966

[28] سید ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1975

[29] ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 11، تنظیم اسلامی، لاہور

[30] ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 84،85، انجمن خدام القرآن، پشاور، 2015ء

[31] التحریم: 10

[32] ڈاکٹر اسرار احمد، بیان القرآن، جلد ہفتم، صفحہ نمبر 294

[33] ڈاکٹر اسرار نے اس ضمن میں سورۃ آل عمران کی مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ (آل عمران: 195) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت۔ (اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 16)

[34] بیان القرآن، زیر آیت: 32

[35] اسلام میں عورت کا مقام، ص 16

[36] لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبُوا۟ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا ٱكْتَسَبْنَ

مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے، جو انھوں نے محنت سے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے، جو انھوں نے محنت سے کمایا (النساء: 32)

[37] دیکھیے: غلام احمد پرویز، مفہوم القرآن، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 187

[38] اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 18

[39] دوسرے مقام پر ڈاکٹر اسرار احمد نے اس پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اگر واقعی عورت کی خدمات ملک کی معیشت کے لیے ضروری ہیں تو حکومت اپنی نگرانی میں ایسے اقدامات کر سکتی ہے کہ گھروں میں چھوٹی چھوٹی انڈسٹریاں لگائے، کاٹیج انڈسٹری کے محلہ وار مراکز قائم کرے، صنعت و حرفت کے تمام بڑے بڑے اداروں کو پابند کرے کہ وہ خواتین کے کام کے بالکل علیحدہ شعبے قائم کریں"۔ (اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 86)

[40] ایضا، صفحہ نمبر 67

[41] ایضا، صفحہ نمبر 86

[42] ایضا، صفحہ نمبر 68

[43] ایضا، صفحہ نمبر 82-83

[44] النساء: 11

[45] البقرہ: 282

[46] بیان القرآن، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 351

[47] اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 22،23

[48] ایضا، صفحہ نمبر 24

[49] ایضا، صفحہ نمبر 28

[50] ایضا، صفحہ نمبر 186

[51] النساء: 34

[52] اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 35

[53] بیان القرآن: جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 146

[54] ایضا، صفحہ نمبر 38

[55] بیان القرآن، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 147

[56] اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 37

[57] بیان القرآن: جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 297

[58] اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 44

[59] بقرہ: 228

[60] بیان القرآن: جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 296

[61] ڈاکٹر اسرار احمد، رسول انقلاب کا طریقہ انقلاب، صفحہ نمبر 31، 32، مکتبہ خدام القرآن، لاہور

[62] اسلام میں عورت کے حقوق، صفحہ نمبر 51، 52، اسلامک پبلی کیشنز لیمیٹڈ، لاہور، 1993ء

[63] حافظ عبد السلام بن محمد، تفسیر القرآن، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 360، دار الاندلس، لاہور (س۔ن)

[64] عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، صفحہ نمبر 224، پاک کمپنی، لاہور (س۔ن)

[65] میاں محمد جمیل، تفسیر فہم القرآن، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 686، ابو ہریرہ اکیڈمی، لاہور، 2006ء

[66] وحید الدین خان، تذکیر القرآن، صفحہ نمبر 196، مکتبۃ الرسالہ، نئی دہلی، 2006ء

[67] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد نمبر 1، صفحہ نمبر 291، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2009ء

[68] محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن، جلد نمبر 2، صفحہ نمبر 206

[69]

[70] اسلام میں عورت کا مقام، صفحہ نمبر 42